بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاثرات

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی روایتِ علم کا اپنا ایک خاص مزاج رہا ہے اور یہ مزاج اس اعتبار سے پورے عالم اسلام میں ہمیشہ ایک شانِ امتیاز کا حامل رہا کہ اس کی ترتیب میں عالمِ اسلام کے مختلف منطقوں کے عناصر نے اپنا ایک نادر توازن دریافت کیا۔ اس میں منقولات کا عرب مزاج اگر ایک طرف پوری طرح کارفرما دکھائی دیتا ہے تو دوسری طرف عجم کی روایتِ دانش جلوہ نما نظر آتی ہے۔ صدیوں پر پھیلے ہوئے اس نظامِ علم کو اکابر علما اور اہلِ دانش نے مرحلہ وار کمال تک پہنچایا اور اس اعتبار سے اس نظام کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس میں انسانی شخصیت کی تکمیل کے لیے ضروری تمام عناصر کو یکجا کر دیا گیا۔ عہدِ جدید میں ہمیں اس نظامِ علم کا نقشِ اوّل مدرسۂ رحیمیہ کی شکل میں دکھائی دیتا ہے۔ یہاں یہ امر قابلِ غور ہے کہ عین اس وقت جب برصغیر میں مسلمانوں کا اقتدار چراغِ سحری تھا دینی میدان میں دو بڑے کارنامے سرانجام دیے گئے۔ فتاویٰ عالمگیری کی

تدوین ہوئی اور مدرسہ رحیمیہ کی بُنیاد رکھی گئی۔ یہی وہ وقت ہے جب مغلوں کا شاہجہان آباد روحانی انوار کے پرتو سے جگمگا رہا ہے اور اس کی کرنیں پورے برصغیر بلکہ اس سے باہر کے علاقوں کو بھی منور کر رہی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادے نے روایتِ علم و فکر کی جو تجدید کی اور تصورِ جہاد کی جو عملی صورت حضرت سیّد احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل شہید کی شکل میں سامنے آئی وہ ہماری تاریخ کا عظیم سرمایہ ہے۔ ایک خاص وقت میں ان تجدیدی کارناموں کا یکجا ہونا اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ عموماً جب روایتی تمدن ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں داخل ہوتے ہیں تو اپنے پہلے دور میں حاصل کیے ہوئے سارے سرمائے کی ترتیبِ نو کرتے ہیں۔ زمانے اور اُس کے مطابق نفوسِ انسانیہ میں جو تبدیلیاں آتی ہیں ان کے لیے نظاموں میں ردوبدل کرکے ایک ایسا سانچہ ترتیب دیا جاتا ہے جو مقاصدِ دین کو پورا کرنے کے لیے زیادہ سازگار اور مناسب ہو۔ یہی عمل اٹھارویں صدی کے آغاز سے برصغیر میں دکھائی دیتا ہے اور تیزی سے اپنے تمدن اور علومِ دینیہ کے لیے ایک ایسا نظام وضع کرتا ہے کہ وہ طوفانِ بلاخیز جو اس کے فوراً بعد اس خطۂ ارض پر نمودار ہوا اور یہاں کی دوسری تہذیبوں کی مذہبی روایت کو سمیٹتا ہوا چلا گیا، وہ اسلامی علوم اور نظامِ علم کو کلی طور پر کہیں متاثر نہیں کر سکا۔ مسلمانوں کا نظامِ علم دُنیاوی سلطنت کے عین وسط میں وہ روحانی اقلیم تھی جو زمانے کی گردشوں سے منزہ رہی اور اس طرح اس نے اپنے لوگوں کے عقائد اور علوم کی حفاظت کا فریضہ اس کمال کے ساتھ سرانجام دیا کہ آج اس کا شمار ایک عظیم

تاریخی کرامت کے طور پر کرنے کو جی چاہتا ہے۔ دینی علوم کے منظر پر اس سے مدارس
کا ایک نیا نظام پیدا ہو جس میں جو ندوۃ العلما کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔
ایک ایسے زمانے میں جب جدید سائنس اور فلسفے کی یورش کا اصل نشانہ مسلمانوں
کی دینی روایت ہو اور مغرب میں تاریخ کے نئے تنقیدی تصورات کا تختۂ مشق
نہایت فیاضی سے اسلامی تاریخ کو بنایا جا رہا ہو، اس وقت یہ ضروری تھا کہ
ایک نئے کلامی اسلوب کی بنیاد رکھی جائے اور تاریخ کو ایک ایسے نقطۂ نظر
سے مرتب کیا جائے کہ وہ صحت بیان کے ساتھ ساتھ دنیا میں تاریخ نگاری کے
اعلیٰ ترین معیاروں پر پوری اتر سکے۔ نظام علم میں تصنیفی عنصر کی اہمیت بھی
اس بات کی متقاضی تھی کہ تحقیق کی ایک نئی روش جو کسی طور دنیا کے کسی اور تحقیقی
اسلوب سے کمتر نہ ہو آغاز کی جائے۔ یہ وہ عناصر ہیں جو ندوۃ العلما میں خصوصی
توجہ کا مرکز رہے اور دینی میدان میں آج ہماری روایتِ علم کا دامن ان شعبوں میں
ندوہ کی ہی اس کاوش سے بھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ شبلی نعمانیؒ اور سید سلیمان
ندویؒ کے زیر اثر جو نقطۂ نظر اور اسلوبِ بیان پیدا ہوا اور مولانا ابوالحسن علی ندوی
اور سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم کے قلم سے بیسویں صدی کی اختتامی دہائیوں
تک پہنچا اس کا اپنا ایک اہم کردار ہے۔ ندوۃ العلما نے میدانِ علم میں جو نمایاں
لوگ پیدا کیے، ان میں مولانا محمد حنیف ندوی رحمتہ اللہ علیہ اپنی جگہ ایک یگانۂ
روزگار نابغہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ادارۂ ثقافت اسلامیہ کا ایک بڑا اعزاز یہ
بھی ہے کہ ادارے کو مولانا کی سرپرستی سے طویل استفادے کا موقع ملا اور ادارے

کے علمی مزاج پر اُن کی چھاپ بہت گہری ہے۔ مولانا کا قلم علوم دینیہ کے تمام میدانوں میں یکساں سہولت و اعتماد کے ساتھ چلتا تھا۔ قرآن، حدیث، تفسیر، تاریخ، کلام، اخلاقیات، مسائل جدید، غرض کوئی اہم شعبہ ایسا نہیں جس میں مولانا کی تصنیف اپنے موضوعات پر اُن کی گرفت کی کامل شہادت نہ دیتی ہو۔ آپ کی طبیعت میں ایک ایسی نادر لطافتِ فہم موجود تھی کہ عہدِ جدید میں نفوس انسانیہ اور تاریخ کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے آپ نے گویا علوم دینیہ کے تمام بڑے شعبوں میں نشانِ راہ قائم کیے اور ان سارے شعبوں میں آپ کو سند کی حیثیت حاصل رہی۔ علمی کاموں میں اس قدر استغراق کے باوجود آپ انتہائی شگفتہ مزاج، علومِ مجلسی کی لطافتوں سے آشنا اور شعر و سخن کی باریکیوں سے پوری طرح آگاہ تھے کیسی بھی محفل میں آپ کی موجودگی مولانا روم کے اس مصرعے کی مصداق ہوا کرتی تھی ؎

کارِ مرداں روشنی و گرمی است

مولانا کو دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ ایک تمدن کتنا مکمل آدمی پیدا کر سکتا ہے اور کس طرح مختلف پہلوؤں سے متوازن شخصیت کی تربیت کر سکتا ہے۔

مولانا کی جدائی برصغیر میں مسلمانوں کی پوری علمی دُنیا کے لیے ایک عظیم صدمہ تھی اور ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کے لیے تو اہم ترین علمی سرپرستی سے محرومی کا جانکاہ واقعہ تھا۔ یہ شمارہ مولانا کی یاد میں کچھ تحریروں کو یکجا کر کے ایک خصوصی گوشہ ترتیب دے کر شائع کیا جا رہا ہے اور ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ اُن کی ہمہ

پہلو شخصیت کی جلوہ فرمائیوں کے سامنے اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ مولانا پر ایک مستقل کتاب ارمغانِ حنیف کے نام سے شائع کی جا رہی ہے جس کی تدوین اُن کی زندگی میں ہی شروع ہو گئی تھی۔ انشاء اللہ یہ کام کسی حد تک ان کے علمی کارناموں سے انصاف کر سکے گا۔